© rasailojaraid.com

قرآن کریم اور فطرتِ انسانی

نذیر احمد علائی☆

کلمہ طیبہ اور فطرتِ اسلامی (انسانی) کو وحی الٰہی اوپر اُٹھاتی اور صحیح سمت دیتی ہے' بالفاظِ دیگر کلمہ طیبہ کو نیک اعمال اُوپر اُٹھاتے ہیں' ترقی دیتے ہیں' بقول اے: ﴿اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ ؕ﴾ (فاطر: ۱۰) ''اُسی کی طرف اٹھتی ہیں اچھی باتیں اور عملِ صالح اسے اوپر اٹھاتا ہے''۔ یعنی کلمہ طیبہ کو عروج پر پہنچانے کے لیے عمل صالح درکار ہے' اس کے بغیر یہ ٹھٹھر کر رہ جاتا ہے۔

فطرت کیا ہے؟

فطرت کے کئی وجوہ ہیں۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝﴾ (الشمس) ''اور قسم ہے نفس انسانی کی اور جیسا کہ اس کو سنوارا۔ پس اس کے اندر نیکی اور بدی کا علم الہام کر دیا''۔ یعنی مبدءِ نفس کے لحاظ سے انسان کی فطرت میں نیکی و بدی کا جذبہ ودیعت ہے۔ جیسے ہم کہتے ہیں: نیک فطرت اور بدفطرت' ایسے ہی باایمان اور بے ایمان' دین دار اور بے دین وغیرہ' جیسا کہ باری تعالیٰ خود فرماتا ہے: ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝﴾ (الشمس) ''یقیناً کامیاب ہو گیا جس نے اس (نفس) کو پاک کر لیا۔ اور ناکام ہو گیا جس نے اسے مٹی میں دفن کر دیا''۔ یعنی جس نے اس نفس کو سنبھال کر رکھا اس نے کامیابی پائی اور جس نے اس نفس کی امانت میں خیانت کی وہ ناکام و نامراد ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ بدی نفس خلقت میں نہیں' بلکہ آگے کے مرحلہ یعنی امانت نفس میں اس کا صدور ہو سکتا ہے' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا﴾ (التحریم: ٦) ''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو (جہنم کی) آگ سے بچانے کی کوشش کرو''۔ یہ نفس امانت ہے' اس لیے اس کی دیکھ بھال کرنا انسان پر لازم ہے۔ یہ نفس کیا ہے' اس کی ماہیت کیا ہے؟ درحقیقت انسان کی خودارادیت' خودمختاری اور اپنی مرضی کا مالک ہونے کی بنا پر نیکی و بدی کا صدور ہوتا ہے اور اس روش کو نفسانیت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ گویا دونوں کا مبدء نفس ہے۔ نفسِ فطرت میں سب توحیدِ الٰہی پر ہیں اور نفسِ فطرت میں کوئی بد نہیں ہے۔ نفس فطرت میں انسان کے اندر توحید ہی کا رجحان ہے۔ بدی اور شرک کا رجحان امانت نفس کے ساتھ اجراء ہوا' لیکن اس کے ساتھ اس نفس کو اللہ تعالیٰ نے یوں ہی بے لگام نہیں چھوڑا' بلکہ اس کے لیے ایک محافظ مقرر کیا' چنانچہ فرمایا: ﴿اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَیْهَا حَافِظٌ ۝﴾ (الطارق) ''کوئی جان ایسی نہیں جس پر کوئی نگہبان نہ ہو''۔ اس طرح دین انسان کی فطرت میں ودیعت ہے' گویا یہ کوئی خارجی چیز نہیں ہے' بلکہ عین فطرتِ انسانی یعنی

☆ ریسرچ سکالر' شعبہ دینیات' سنی' مسلم یونیورسٹی' علی گڑھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے باطن کا خزانہ ہے جو اس کی شخصیت میں ہمیشہ پنہاں رہتا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسان اپنی فطرت کے لحاظ سے ایک صفحہ سادہ اور تمام تر اپنے ماحول کی پیداوار و عادات کی مخلوق نہیں ہے' جبکہ اللہ تعالیٰ نے خود فطرتِ انسانی کو بہترین کہا ہے: ﴿لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ﴿۴﴾﴾ (التین) ''ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا''۔ مگر انسان کی یہ فطرت حیوانوں کی جبلّت کی طرح نہیں ہے' کہ وہ اس سے انحراف نہ اختیار کر سکے' بلکہ انسان اپنے اندر اختیار بھی رکھتا ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کی ہدایت کے لیے انبیاء و رُسل علیہم السلام بھیجے۔ ان کی تعلیمات چونکہ انہی مبادیات پر مبنی ہیں جو انسان کے اندر مضمر ہیں اس بنا پر جو سلیم الطبع تھے' انہوں نے ان انبیاء و رُسل کی ہر بات کو اپنے ہی دل کی آواز سمجھا' کیونکہ انسان کی فطرت میں اللہ کی بندگی ہے' بمصداق: ﴿وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ﴿۵۶﴾﴾ (الذاریات) ''اور میں نے نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو مگر صرف اس لیے کہ وہ میری بندگی کریں''۔ گویا اس طرح انسان کی ساخت اور فطرت کبھی نہیں بدل سکتی' یعنی نہ انسان عبد سے غیر عبد بن سکتا ہے نہ کسی غیر اللہ کو اللہ بنا لینے سے وہ فی الحقیقت اس کا اِلٰہ بن سکتا ہے۔ انسان چاہے کتنے ہی معبود بنا بیٹھے لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ بالکل طے شدہ ہے کہ وہ ایک اللہ کے سوا کسی کا بندہ نہیں ہے' مثلاً فرعون جیسے مغرور بادشاہ نے بھی آخری وقت میں اللہ ہی کو پکارا۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿وَجٰوَزۡنَا بِبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ الۡبَحۡرَ فَاَتۡبَعَهُمۡ فِرۡعَوۡنُ وَجُنُوۡدُهٗ بَغۡیًا وَّعَدۡوًا ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدۡرَکَهُ الۡغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنۡتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیۡۤ اٰمَنَتۡ بِهٖ بَنُوۡۤا اِسۡرَآءِیۡلَ وَاَنَا مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۹۰﴾ آٰلۡئٰنَ وَقَدۡ عَصَیۡتَ قَبۡلُ وَکُنۡتَ مِنَ الۡمُفۡسِدِیۡنَ ﴿۹۱﴾﴾ (یونس)

''اور ہم نے بنی اسرائیل کو پار اتار دیا سمندر (یا دریا) کے' پھر ان کا پیچھا کیا فرعون اور اس کے لشکروں نے سرکشی اور زیادتی کی غرض سے۔ یہاں تک کہ جب پا لیا اُسے غرق نے' کہنے لگا کہ میں ایمان لایا کہ کوئی معبود نہیں سوائے اُس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں' اور میں (اُس کے) فرماں برداروں میں سے ہوں۔ کیا اب (تو ایمان لا رہا ہے)؟ حالانکہ اس سے پہلے تو نافرمانی کرتا رہا ہے اور تو فساد برپا کرنے والوں میں سے تھا۔''

یہ اُس کی فطرت کی آواز تھی' جو اُس نے دنیا میں دبا کر رکھی تھی۔ اس آواز کی ایک نمایاں شکل یہ ہے' بمصداق الفاظِ قرآنی: ﴿وَلَاۤ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَةِ ﴿۲﴾﴾ (القیامۃ) ''اور نہیں! میں قسم کھاتا ہوں نفس لوامہ کی''۔ جب کہ قرآن حکیم میں اس نفس کا دوسرا وطیرہ یا پہلو یہ بیان ہوا ہے: ﴿وَمَاۤ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۵۳﴾﴾ (یوسف) ''(اس عورت نے کہا) اور میں اپنے نفس کو بری قرار نہیں دیتی' یقیناً (انسان کا) نفس تو برائی ہی کا حکم دیتا ہے سوائے اُس کے جس پر میرا ربّ رحم فرمائے۔ یقیناً میرا ربّ بہت بخشنے والا' نہایت رحم کرنے والا ہے''۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جیسا بنایا اس میں تبدیلی یا انحراف قطعاً روا نہیں ہے۔ فطرت سے انحراف کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ عورت مرد بننے کی خواہش مند ہو جائے اور مرد عورت جیسا حلیہ اختیار کر لے' یہ طرزِ حیات بالکل فطرت کے خلاف ہے۔ نیز اللہ فرماتا ہے کہ انسان کی نشأۃ نفسِ واحدہ سے ہوئی ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

﴿وَهُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ﴿۹۸﴾﴾ (الانعام)

''اور وہی ہے جس نے تمہیں اٹھایا ایک جان سے' پھر تمہارے لیے ایک تو مستقل ٹھکانہ ہے اور ایک کچھ دیر (امانتاً) رکھے جانے کی جگہ۔ ہم نے تو اپنی آیات کو واضح کر دیا ہے ان لوگوں کے لیے جو سمجھ بوجھ سے کام لیں۔''

مختلف تفاسیر میں فطرت کا مفہوم

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ﴿۳۰﴾﴾ (الروم)

''اللہ کی بنائی ہوئی فطرت پر (قائم رہو) جس پر اُس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ یہی ہے سیدھا دین' لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔''

مذکورہ آیت کے سلسلے میں علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ فطرۃ کے لغوی معنی خلقت' ابتداء اور اختراع کے ہیں' جیسے ارشاد ہوا:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (فاطر:۱) ''کُل حمد اور کُل شکر اللہ کے لیے ہے جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا۔''

﴿وَمَا لِیَ لَاۤ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ﴿۲۲﴾﴾ (یٰسٓ) ''اور مجھے کیا ہے کہ میں عبادت نہ کروں اُس ہستی کی جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور اُسی کی طرف تم سب لوٹا دیے جاؤ گے۔''

﴿اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ﴿۲۷﴾﴾ (الزخرف) ''سوائے اُس ہستی کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے' تو یقیناً وہی مجھے راستہ دکھائے گا۔''

اور اصطلاحی معنی یہ ہے اِتَّبِعْ فِطْرَةَ اللّٰهِ یعنی فطرت اللہ کی پیروی کرو۔(۱)

علامہ آلوسیؒ رقمطراز ہیں: اِتَّبِعْ فِطْرَةَ اللّٰهِ یعنی اتَّبِع الدِّین۔ پھر طیبی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ یہ معنی نظم قرآن سے اَقرب ہے۔ اس قول باری کے موافق ہے: ﴿بَلِ اتَّبَعَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ ۚ﴾ (الروم:۲۹)۔(۲) ''بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) ان ظالموں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی ہے بغیر کسی علم کے''۔

ابن جریرؒ بھی فِطْرَة اللّٰه سے دین مراد لیتے ہیں۔(۳) علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد بہائم کی فطرت تبدیل نہ ہوگی۔(۴) ابن جریرؒ بھی بہائم کے قائل ہیں۔(۵) ابن کثیرؒ نے اس بات کو یوں بیان کیا' کہ ہر انسان اپنی فطرتِ سلیمہ کے ساتھ لازم وملزوم ہے' اسی پر تمام انسان پیدا کیے گئے ہیں' کیونکہ اللہ نے انسان کو اپنی معرفت و توحید کی خاطر پیدا کیا ہے اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں ہے' یہ اقرار اس آیت میں موجود ہے:

﴿وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰی ۛۚ شَهِدْنَا ۛۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ (الاعراف)

''اور یاد کرو جب نکالا آپؐ کے رب نے تمام بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی نسل کو اور ان کو گواہ بنایا خود ان کے اوپر' (اور سوال کیا) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! ہم اس پر گواہ ہیں۔ مبادا تم یہ کہو قیامت کے دن کہ ہم تو اس سے غافل تھے۔''

آپ مزید رقمطراز ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی تخلیق کے مابین مساوی ہے' اس لیے کہ لوگ فطرت میں جبلت مستقیمہ پر ہیں' یعنی ہر ایک کی ولادت ایک ہی فطری اصول پر ہوتی ہے' یعنی جبلی اصول پر' جس میں کوئی تفاوت نہیں' اس میں سب کی خلقت یکساں ہے۔ (۶)

علامہ اقبالؒ نے اس بات کو شاعرانہ انداز میں یوں بیان کیا ہے:

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات   مؤمن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند!

فطرت کا مفہوم: قرآن کی روشنی میں

فطرت کے اصل معنی خلقت یعنی پیدائش کے ہیں اور یہی اسلام وتوحید ہے۔ (۷) مطلب یہ ہے کہ سب کی پیدائش بلاتفریق مسلم وکافر' اسلام وتوحید پر ہوئی ہے۔ قرآن میں آیا ہے:

﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾﴾ (الروم)

''اللہ کی بنائی ہوئی فطرت پر (قائم رہو) جس پر اُس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ یہی ہے سیدھا دین لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔''

اس آیت کی توضیح کرتے ہوئے نبی ﷺ نے فرمایا:

((كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ)) (۸) ''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔''

یعنی ایمان باللہ اور اسلام پر۔ (۹)

ابن زید کہتے ہیں کہ اسلام پر پیدا ہونے کا مطلب یہ ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام بنی آدمؑ سے اپنے ربّ ہونے کا اقرار لیا' جس کا ثبوت ان آیات میں مذکور ہے:

﴿وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰی ۛۚ شَهِدْنَا ۛۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۲﴾﴾ (الاعراف)

''اور یاد کرو جب نکالا آپؐ کے رب نے تمام بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی نسل کو اور ان کو گواہ بنایا خود ان کے اوپر' (اور سوال کیا) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! ہم اس پر گواہ ہیں۔ مبادا تم یہ کہو قیامت کے دن کہ ہم تو اس سے غافل تھے۔''

﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۟ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

﴿وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (البقرۃ)(۱۰)

''تمام انسان ایک ہی اُمت تھے۔تو اللہ نے (اپنے) نبی بھیجے جوخوشخبری سناتے اورخبردار کرتے ہوئے آئے۔اوران کے ساتھ (اپنی) کتاب نازل فرمائی حق کے ساتھ' تا کہ وہ فیصلہ کردے لوگوں کے مابین ان امور میں جن میں انہوں نے اختلاف کیا تھا۔اور کتاب میں اختلاف نہیں کیا مگر ان ہی لوگوں نے جنہیں یہ دی گئی تھی' اس کے بعد کہ ان کے پاس روشن ہدایات آ چکی تھیں' محض باہمی ضدم ضدا کے سبب سے۔پس اللہ نے ہدایت بخشی ان لوگوں کو جو ایمان لائے اُس حق کے معاملے میں جس میں لوگوں نے اختلاف کیا تھا' اپنے حکم سے۔اور اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف۔''

اگرچہ حقیقت میں عقل وفطرت اور دین میں منافات نہیں ہے' بلکہ دین تو ان کو اُجاگر کرتا ہے' اوپر اُٹھاتا ہے اور اصولی شکل دیتا ہے اور زندگی کا پورا نظام ان پر استوار کرتا ہے' تو ان میں منافات کیسے ہوسکتی ہے؟ لہٰذا ہر وہ چیز جو عقل وفطرت کے منافی ہوگی دین کے بھی منافی ہوگی۔اس اصول کو شیخ محمد عبدہٗ نے یوں بیان فرمایا کہ اللہ نے جو چیزیں تمام لوگوں کو ہبہ کیں وہ ہیں: (۱) وجدان' الہام اور فطرت (۲) حواس (۳) عقل (۴) دین۔ جیسے فرمایا: ﴿وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾ (البلد) ''اور ہم نے اس کو راہ دکھلا دی دو گھاٹیوں کی''۔''النجدین'' کے معنی سعادت وشقاوت اور خیر وشر کے ہوتے ہیں۔دوسری جگہ قرآن میں ارشاد ہے: ﴿وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى﴾ (فصّلت/حٰمٓ السجدۃ:۱۷) ''اور جو قوم ثمود تھی' ان کو ہم نے ہدایت کی راہ دکھائی' لیکن انہوں نے ہدایت کے مقابلے میں اندھے پن کو ہی پسند کیا''۔مذکورہ بالا آیات میں ہدایت سے مراد دلالت (رہنمائی) ہے' مگر اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ﴾ (الانعام: ۹۰) ''یہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تھی' تو آپ بھی ان کی ہدایت کی پیروی کیجیے''۔یہ آیت کسی نمونہ کی طرف اشارہ کر رہی ہے' اور وہ نمونہ یہ ہے: ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾ (النساء) ''اور جو کوئی اطاعت کرے گا اللہ کی اور رسولؐ کی تو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہیں معیت حاصل ہوگی اُن کی جن پر اللہ کا انعام ہوا' یعنی انبیاء کرام' صدیقین' شہداء اور صالحین۔اور کیا ہی اچھے ہیں یہ لوگ رفاقت کے لیے''۔معلوم ہوا کہ عمل کی صحیح سمت کی طرف رہنمائی کرنے کا اختیار بھی اللہ ہی کو حاصل ہے۔(۱۱)

اس صورت میں محسوس کیا جاتا ہے کہ راہِ راست اختیار کرنے والے لوگوں کی سوجھ بوجھ اور پرہیزگاری بڑھتی چلی جاتی ہے' جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ﴾ (محمد) ''اور وہ لوگ جو ہدایت پر ہیں اللہ نے ان کی ہدایت میں اور اضافہ کر دیا ہے اور انہیں ان کے حصے کا تقویٰ عطا فرمایا ہے''۔اور یہ راہ راست نبیوں کی پیروی اور کتب سماوی کے ذریعہ سے حاصل کی جاتی ہے۔اس کی تائید درج ذیل آیات سے ہوتی ہے: ﴿فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى﴾ (طٰہٰ) ''تو جب بھی تمہارے پاس آئے میری طرف سے کوئی ہدایت تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی تو نہ وہ بھٹکے گا اور نہ ناکام ہوگا''۔﴿فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(البقرۃ) ’’تو جب بھی آئے تمہارے پاس میری جانب سے کوئی ہدایت‘ تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ حزن سے دوچار ہوں گے‘‘۔ ﴿وَلَقَدۡ جَآءَهُمۡ مِّنۡ رَّبِّهِمُ الۡهُدٰىؕ﴾ (النجم) ’’جب کہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے مکمل ہدایت آ چکی ہے‘‘۔ ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا وَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الۡهُدٰىۙ لَنۡ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیۡـًٔاؕ وَسَیُحۡبِطُ اَعۡمَالَهُمۡ﴾ (محمد) ’’یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور جو روکتے رہے دوسروں کو اللہ کے راستے سے اور وہ رسولؐ کی مخالفت میں سرگرم رہے اس کے بعد کہ ان کے لیے ہدایت واضح ہو چکی تھی‘ وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اور وہ ان کے اعمال کو اکارت کر دے گا‘‘۔ اس طرح جو اس ہدایت کا اتباع کرے اُس پر سلامتی ہے۔ بمصداق: ﴿وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الۡهُدٰى﴾ (طٰہٰ) ’’اور سلامتی اُن پر ہے جو ہدایت کا اتباع کریں۔‘‘

گویا خلقت کے اعتبار سے‘ اللہ تعالیٰ نے ہر فردِ انسانی کی فطرت‘ قبولِ حق کے لیے مستعد بنائی ہے اور قبولِ حق کا بیج اس کے دل میں ودیعت کر رکھا ہے۔ اب اس کو محفوظ رکھنا انسان کی اپنی ذمہ داری ہے‘ جیسے سختی اور خوف کے وقت اس قبولِ حق یعنی قبولِ فطرت کا اظہار ہر ایک کو ہو جاتا ہے۔ بڑے سے بڑا سرکش مصیبت میں گھر کر اللہ واحد ہی کو پُکارنے لگتا ہے‘ اُس وقت جھوٹے سہارے ذہن سے نکل جاتے ہیں‘ وہی سچا مالک یاد رہ جاتا ہے جس کی طرف فطرتِ انسانی ہمیشہ رہنمائی کرتی تھی۔ لہٰذا جو لوگ اس خیال میں مگن ہیں کہ اپنے ٹھہرائے ہوئے اصول وعقائد پر‘ خواہ وہ کتنے ہی مہمل کیوں نہ ہوں‘ ایسے فریفتہ ہیں کہ انہیں غلطی کے امکان کا تصور بھی نہیں ہوتا‘ وہ بھی مشکل وقت میں اپنی فطرت کی آواز پر لبیک کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ قرآن میں اس فطرتِ انسانی کا ذکر ہے: ﴿بَلۡ اِیَّاهُ تَدۡعُوۡنَ فَیَكۡشِفُ مَا تَدۡعُوۡنَ اِلَیۡهِ اِنۡ شَآءَ وَتَنۡسَوۡنَ مَا تُشۡرِكُوۡنَ﴾ (الانعام) ’’بلکہ (مصیبت کی گھڑی میں) تم اسی کو پکارتے ہو‘ پھر اگر وہ چاہتا ہے تو جس تکلیف کے لیے تم اسے پکارتے ہو وہ دُور کر دیتا ہے اور (ایسے مواقع پر) تم بھول جاتے ہو اُن کو جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو‘‘۔ یعنی اس دنیا کی چھوٹی چھوٹی مصیبتوں میں بھی جب انسان گھر جاتا ہے تو مجبور ہو کر اسی اللہ وحدہ لاشریک کو پکارتا ہے۔ سورۃ العنکبوت میں ارشاد ہے: ﴿فَاِذَا رَكِبُوۡا فِی الۡفُلۡكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخۡلِصِیۡنَ لَهُ الدِّیۡنَۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمۡ اِلَى الۡبَرِّ اِذَا هُمۡ یُشۡرِكُوۡنَ﴾ (العنکبوت)[۱۲] ’’سو جب یہ لوگ سوار ہوتے ہیں کشتی میں تو پکارتے ہیں اللہ کو اُس کے لیے اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔ پھر جب وہ انہیں نجات دے دیتا ہے خشکی کی طرف تو جبھی وہ شرک کرنے لگتے ہیں‘‘۔ شبیر احمد عثمانیؒ علامہ طیبیؒ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ سخت مصائب میں مشرکین اللہ ہی کو یاد کرتے ہیں‘ دوسرے معبودوں کو بھول جاتے ہیں‘ تو پھر فطرت وضمیر کی اس شہادت کو امن واطمینان کے وقت کیوں یاد نہیں رکھتے؟ جیسے ارشاد ہوا: ﴿اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكۡشِفُ السُّوۡٓءَ وَیَجۡعَلُكُمۡ خُلَفَآءَ الۡاَرۡضِؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِؕ قَلِیۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَ﴾ (النمل)[۱۳] ’’بھلا کون ہے جو سنتا ہے ایک مجبور ولاچار کو جب وہ اس کو پکارتا ہے اور (اُس کی) تکلیف کو دور کرتا ہے؟ اور جو تمہیں جانشین بناتا ہے زمین میں؟ کیا کوئی اور معبود بھی ہے اللہ کے ساتھ (ان کاموں میں شریک)؟ بہت ہی کم نصیحت ہے جو تم لوگ حاصل کرتے ہو‘‘۔ مزید فطری اصولوں کی طرف یہاں اشارہ ہے: ﴿وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوۡا رَبَّهُمۡ مُّنِیۡبِیۡنَ اِلَیۡهِ ثُمَّ اِذَاۤ اَذَاقَهُمۡ مِّنۡهُ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

﴿رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ﴾ (الروم)[14] ''اور جب انسانوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ پکارتے ہیں اپنے رب کو اُسی کی طرف رجوع کرتے ہوئے' پھر جب وہ انہیں اپنی طرف سے رحمت کا مزہ چکھاتا ہے تو جبھی ان میں سے ایک گروہ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے۔''

درحقیقت قرآن کریم دین اسلام کے اصول اور ایک صحیح فکر دے رہا ہے۔ اصولِ دین میں تمام انبیاء متفق رہے ہیں اور جو ان اصولوں سے آگے فروعات کو بھی اصولی درجہ دے' ان پر ریجھ جائے' یعنی یہ سمجھ بیٹھے کہ جو ان کے پاس ہے بس وہی صحیح ہے تو اس سلسلہ میں نبی ﷺ کو تسلی دی گئی: ﴿وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿٥٢﴾ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿٥٣﴾ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿٥٤﴾﴾ (المؤمنون)[15] ''اور یقیناً یہ تمہاری اُمت ایک ہی اُمت ہے اور میں تمہارا رب ہوں' بس تم میرا ہی تقویٰ اختیار کرو! لیکن لوگوں نے اپنے معاملے کو اپنے مابین تقسیم کرلیا ٹکڑے کر کے۔ ہر گروہ کے لوگ جو کچھ ان کے پاس ہے اس پر اترا رہے ہیں۔ تو (اے نبی ﷺ!) آپ انہیں چھوڑ دیجیے ان کی مدہوشی میں' ایک وقت تک کے لیے''۔ گویا جس طرح اللہ کے اختیار میں انسان کی فطرت ہے' اسی طرح اللہ ہی کے دست قدرت میں انسان کی ہدایت بھی ہے' ارشادِ باری ہے: ﴿قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ﴾ (آل عمران:73) ''(اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ اصل ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے''۔ یعنی اصل ہدایت تو اللہ کی عطا کردہ ہدایت ہے' یہ کسی خاص گروہ اور خاص نسل کی وراثت نہیں ہے۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ﴾ (الانعام:71) ''کہہ دیجیے یقیناً اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے''۔ حتیٰ کہ ہدایت کے نشانات بھی اللہ نے طے کر دیے ہیں' مثلاً خانہ کعبہ ہدایت کا ذریعہ ہے: ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٦﴾﴾ (آل عمران) ''یقیناً پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا (اللہ کی عبادت کے لیے) وہی ہے جو مکہ میں ہے' برکت والا ہے اور ہدایت (کا مرکز) ہے تمام جہان والوں کے لیے''۔ دوسری آیت میں ''نجوم'' کا ذکر ہوا کہ ان سے انسان راستہ معلوم کرلے' چاہے براہ راست یا قطب نما کے ذریعہ۔ ارشادِ باری ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٩٧﴾﴾ (الانعام) ''اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے ستارے بنائے تاکہ تم ان سے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ پاؤ۔ ہم نے تو اپنی نشانیاں تفصیل سے بیان کر دی ہیں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔''

اختلاف میں انقلاب

اختلاف کو سمجھنا اور اس میں صحیح راستہ اختیار کرنا یہ انسانی زندگی اور فکر کا ایک جزء ہے' جیسے انسان کا لسانی اختلاف اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی ہے:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿٢٢﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاۗؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿٢٣﴾﴾ (الروم)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا فرق۔ یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔ اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے تمہارا رات اور دن کو سونا اور تمہارا اُس کے فضل کو تلاش کرنا۔ یقیناً اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو سنتے ہیں۔''

اور ایک قول میں وحدت کی طرف اشارہ ہے کہ آیاتِ آفاقی وانفسی اللہ رب العزت کے یکتا وتنہا ہونے پر دلالت کرتی ہیں: وفی کلّ شیء له آیة تدلُّ علیٰ انّه واحد۔ گویا اختلاف میں بھی وحدت پنہاں ہے۔ اصل میں انسان کو صرف اپنے علم کی حد تک حقیقت کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ کچھ غیر محسوس حقائق کو بھی قبول کرنا اور تسلیم کرنا چاہیے' جیسے ارشاد ہوا:

﴿ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ﴾ (المؤمن)

''یہ سب اس لیے ہوا کہ تم زمین میں ناحق اتراتے تھے اور اس لیے بھی کہ تم اکڑا بھی کرتے تھے۔''

﴿فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ (المؤمن)

''تو جب آ گئے ان کے پاس ان کے رسول واضح نشانیاں لے کر تو وہ اتراتے رہے اسی پر جو بھی علم ان کے پاس تھا اور گھیرے میں لے لیا انہیں اُسی چیز نے جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔''

حسنِ عمل

حسنِ عمل میں وسعتِ فکر موجود ہے' جیسے: ﴿اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (الکہف) ''یقیناً ہم نے بنا دیا ہے جو کچھ زمین پر ہے اسے اس کا بناؤ سنگھار''۔ مذکورہ آیت سے مترشح ہوتا ہے کہ انسان اس دنیا کی رونق پر حسنِ عمل کی خاطر امتحان میں ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ الدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ، وَاِنَّ اللّٰهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيْهَا، فَيَنْظُرُ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ، فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ، فَاِنَّ اَوَّلَ فِتْنَةِ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ كَانَتْ فِي النِّسَاءِ)) (١٦)

''یقیناً دنیا بڑی شیریں اور بڑی سرسبز ہے' اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس میں اختیار بخشا ہے' پس وہ دیکھتا ہے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ پس دنیا سے بچو اور (خاص طور پر) عورتوں سے بچ کر رہو' اس لیے کہ بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والا اوّلین فتنہ عورتوں میں ہی تھا۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے زوال کی بھی خبر دی' یعنی یہ دنیا اپنے اختتام کی طرف رواں دواں ہے۔ فرمایا: ﴿وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا﴾ (الکہف) ''اور یقیناً ہم بنا کر رکھ دیں گے جو کچھ اس (زمین) پر ہے اسے ایک چٹیل میدان''۔ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ آیت کے ضمن لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انسان کو احکام دے کر جانچنا چاہتا ہے' لیکن یہ جانچ صرف بغرضِ اظہار ہے نہ کہ بغرضِ تحصیلِ علم۔ پس جب اللہ ان کا حقیقی مالک و مربّی ہو کر ان پر جبر نہیں کرتا تو انسان کو ایسی کیا پڑی ہے کہ ان کے رنج میں ناحق ملولِ خاطر ہو رہا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔[۱۷] سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ ایک عارضی زینت ہے جو محض انسان کو آزمائش میں ڈالنے کے لیے مہیا کی گئی ہے۔[۱۸] مزید اس موضوع (حسن عمل) کے تعلق سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ قلبِ سلیم لے کر آئیں وہی اس آزمائش میں کامیاب ٹھہریں گے۔ از روئے الفاظ قرآنی:

﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝﴾ (الشعراء)

''جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ بیٹے۔ سوائے اُس کے جو آئے اللہ کے پاس قلبِ سلیم لے کر۔''

﴿وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ۝ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝﴾ (الصّٰفّٰت)

''اور اُسی کی جماعت میں سے ابراہیمؑ بھی تھا۔ جب وہ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا قلبِ سلیم کے ساتھ۔''

انسان کی فطرت میں خود پسندی

یعنی مرد کی خود پسندی جو اس کے اندر فخر وعظمت کا احساس پیدا کر دیتی ہے۔ ارشاد باری ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۝﴾ (النساء) ''اللہ بالکل پسند نہیں کرتا اُن لوگوں کو جو شیخی خورے اور اکڑنے والے ہوں''۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ مذکورہ آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جس کے مزاج میں تکبر و خود پسندی ہوتی ہے وہ ان حقوق کو (جو آیت میں مذکور ہیں) ادا نہیں کرتا' سو اس سے احتراز رکھو اور جدار ہو۔[۱۹] اور عورت کی خود پسندی جو اس کو ذاتی آرائش ونمائش کی طرف لے جاتی ہے۔ ارشاد باری ہے: ﴿اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ۝﴾ (الزخرف) ''کیا وہ جو پرورش پاتی ہے زیور میں اور بحث میں اپنا موقف واضح نہیں کر سکتی''۔ اللہ تعالیٰ نے زیور کو عورت کے لیے فطری چیز قرار دیا۔ شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں کہ لڑکی جو عادتاً آرائش وزیبائش میں نشو ونما پاتی اور زیورات وغیرہ کے شوق میں مستغرق رہتی ہے' جو دلیل ہے ضعف رائے وعقل کی اور وہ بوجہ ضعف قوتِ فکریہ کے مباحثہ کے وقت قوتِ بیانیہ بھی نہ رکھے۔[۲۰] ان دونوں یعنی مرد وعورت کے اندر یہ جذبات واحساسات پیدائشی یعنی فطری طور پر موجود ہیں' مگر یہ جذبات صرف آزمائش کے لیے ہیں' لہٰذا خیر اس میں ہے کہ ان دونوں کے اندر یہ کمزوری پیدائشی یعنی فطری ہونے کے ساتھ ساتھ' ان پر کنٹرول کیا جائے اور آرائش ونمائش کے بجائے سادگی اور شائستگی اختیار کی جائے' فخر وعظمت کے بجائے انکسار وتواضع اختیار کیا جائے اور انسانی خدمات کو اپنا دستورِ حیات بنایا جائے۔

فکر کی اصلاح

فکری وعملی اصلاح کا مسئلہ قرآن کریم نے پہلے سے طے کر کے رکھا ہے' یعنی اسلام انسان کے فکر وعمل کے تضاد کو بڑی آسانی سے حل کرتا ہے' عبادت وعمل کی کشمکش سے نجات دلاتا ہے' دین داری اور دنیا داری کے مراحل کو آسانی اور کامیابی کے ساتھ معین کرتا ہے۔ قرآن حکیم میں مذکور ہے کہ قارون کو اُس کی قوم کے لوگوں نے کہا:

﴿وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝﴾ (القصص)

''اور جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے اس سے دارِ آخرت حاصل کرنے کی کوشش کرو اور مت بھولو تم دنیا سے اپنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حصہ' اور لوگوں کے ساتھ احسان کرو' جیسے اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے اور زمین میں فساد مت مچاؤ' یقیناً اللہ فساد مچانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی بخششوں کو صحیح مصرف میں لگانا کمال انسانیت و کمال فطرت ہے۔ شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں کہ دنیا میں انسان کو موافق و مناسب حصہ کھانا اور موافق حصہ پہننا اور زیادہ مال سے آخرت کمانا اور مخلوق کے ساتھ نیک سلوک کرنا ہے۔[21] ارشادِ ربانی ہے: ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ (٣١)﴾ (الاعراف) ''اے آدمؑ کی اولاد! اپنی زینت استوار کیا کرو ہر نماز کے وقت اور کھاؤ اور پیو' البتہ اسراف نہ کرو' یقیناً وہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔ فطرت سے احتراز نیکی نہیں۔ مولاناؒ اس آیت کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں' کہ تقویٰ یہ ہے: اللہ کی دی ہوئی پوشاک جس سے انسان کے بدن کی تستر و آرائش ہو جو عبادت کے وقت دوسرے اوقات سے بڑھ کر قابل استعمال ہوتا ہے کہ بندہ اپنے ربّ کی بارگاہ میں اس کی نعمتوں کا اثر لے کر حاضر ہو' اس نے جو کچھ پہننے اور کھانے پینے کو دیا ہے اس سے تمتع کرے' اور اسراف نہ کرے۔[22] اسی مفہوم میں نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان بھی منقول ہے: ((اِعْمَلْ لِدُنْيَاكَ كَاَنَّكَ تَعِيْشُ اَبَدًا وَاعْمَلْ لِآخِرَتِكَ كَاَنَّكَ تَمُوْتُ غَدًا))[23] ''اپنی دنیا کے لیے اس طرح کام کرو جیسے تم ہمیشہ زندہ رہو گے اور آخرت کے لیے اس طرح کام کرو گویا تم کل ہی مر جاؤ گے''۔ اسلام وہ مکمل دین ہے جو انسان کے آگے ہر ممکن راستہ کھول دیتا ہے۔ عیسائیوں نے ناممکن راستہ ''رہبانیت'' کو اختیار کیا' جس کی انہوں نے بعد میں رعایت نہیں کی' یہ ان کے فکری غلو کی نمایاں مثال ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے: ﴿وَرَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ﴾ (الحدید:۲۷) ''اور رہبانیت کی بدعت انہوں نے خود ایجاد کی تھی' ہم نے اسے ان پر لازم نہیں کیا تھا' مگر اللہ کی خوشنودی کی تلاش میں' پھر وہ اس کی رعایت بھی نہ کر سکے جیسا کہ اس کی رعایت کرنے کا حق تھا''۔ قرآن میں لفظ فکر متعدد مقامات پر آیا ہے' جیسے: ﴿اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۝ (١٨)﴾ (المدثر) ''اس نے غور کیا اور کچھ اندازہ کیا''۔ یہ لفظ فعل و فاعل دونوں پر دلالت کرتا ہے' یعنی پہلے آدمی کسی چیز پر نظر ڈالتا ہے' پھر اس پر غور و فکر کرتا ہے' جیسے فرمایا: ﴿فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ۝ (٨٨)﴾ (الصّٰفّٰت) ''پس اُس نے ایک نظر ستاروں پر ڈالی''۔ گویا قرآن کے تناظر میں یہ ذہنی غور و فکر ذاتِ انسانی سے مربوط ہے' کیونکہ کسی فکر کا وجود مفکّر کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

ڈاکٹر طٰہٰ جابر العوانی اپنی کتاب ''جدید فکری بحران'' میں رقمطراز ہیں کہ حیوانات سے بھی ایسے اعمال صادر ہوتے رہتے ہیں جو انسانی غور و فکر کے مشابہ ہوتے ہیں لیکن وہ غور و فکر کے نتائج نہیں ہوتے بلکہ فطری تقاضے ہوتے ہیں۔[24] جیسے: ﴿اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ ''نماز قائم کرو!'' اہلِ اصول کے یہاں صیغہ امر کے ذریعہ جو حکم دیا جاتا ہے اس کا نفاذ واجب پر ہوتا ہے' جبکہ اہلِ لغت کے یہاں جو امر اللہ کی طرف سے ہوتا ہے وہ واجب العمل ہوتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ نماز واجب ہے۔ مذکورہ مثال سے یہ بات سامنے آئی کہ نامعلوم چیزوں کے لیے اپنی معلومات کے مطابق دو مقدمات مرتب کر لیے جائیں' یعنی اصول و لغت۔ اس نتیجہ عمل کو فکر سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موسوم کیا جاتا ہے۔اس باب میں قرآن کا تقاضا یہ ہے کہ بےعمل غور وفکر ناپسندیدہ ہے۔گویا غور وفکر کے پیچھے کسی مقصد کا حاصل ہونا لازمی ہے' چاہے اس کا تعلق دنیا سے ہو یا آخرت سے ہو۔اس طرح ''فکر'' کے کچھ مقدمات اور کچھ حدود ہوتے ہیں۔ملت اسلامیہ کا فرض ہے کہ وہ اپنی تہذیب وثقافت کو سمجھے اور اپنے افکار ونظریات کے سرچشموں کو پیش نظر رکھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلۡ عَسٰۤی اَنۡ یَّکُوۡنَ رَدِفَ لَکُمۡ بَعۡضُ الَّذِیۡ تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ﴾(النمل) ''آپ کہہ دیجیے کہ ہوسکتا ہے جس چیز کی تم لوگ جلدی مچا رہے ہو اُس کا کچھ حصہ تمہارے قریب ہی آ لگا ہو''۔ ﴿وَاِنَّهٗ لَهُدًی وَّرَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ﴾(النمل) ''اور یقیناً یہ (قرآن) ہدایت اور رحمت ہے اہلِ ایمان کے حق میں''۔گویا قرآنِ کریم قولی اور عملی فیصلہ کے لیے آیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں قوتِ گویائی رکھی: ﴿عَلَّمَهُ الۡبَیَانَ﴾(الرحمٰن) ''اس کو بیان سکھایا''۔بنی اسرائیل جن عقائد واحکام اور قصص وروایات کے اختلافات میں مبتلا تھے ان کا فیصلہ کن تصفیہ قرآن نے سنایا' جبکہ ہر معاملہ کا عملی فیصلہ قیامت میں ہوگا۔قرآن سمجھانے اور آگاہ کرنے کے لیے آیا ہے' باقی تمام معاملات کا حکیمانہ اور حاکمانہ فیصلہ اللہ ہی کرے گا۔ آپ ﷺ سے کہا جارہا ہے کہ کسی کے اختلاف سے متاثر نہ ہوں' اللہ پر بھروسہ کرکے اپنا کام جاری رکھئے۔[۲۵] کیونکہ انسان فطری طور پر ایک دوسرے کے لیے باعث تکلیف ہوتا ہے' مگر عباد اللہ (اللہ کے بندے) صبر کیا کرتے ہیں: ﴿وَجَعَلۡنَا بَعۡضَکُمۡ لِبَعۡضٍ فِتۡنَةً ؕ اَتَصۡبِرُوۡنَ ۚ وَکَانَ رَبُّکَ بَصِیۡرًا﴾ (الفرقان)۔[۲۶] ''اور ہم نے تمہارے بعض کو بعض کے لیے آزمائش بنایا ہے۔(اے مسلمانو!) کیا تم صبر کرتے ہو؟ اور آپ کا رب سب کچھ دیکھنے والا ہے''۔شبیر احمد عثمانیؒ مذکورہ آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ پیغمبر میں کافروں کا ایمان جانچنے اور کافر میں پیغمبروں کا صبر جانچنا' یہ سب اللہ کی نظر میں ہے' نیز سختی' نرمی' تندرستی' بیماری..... سے انسان کو جانچا جاتا ہے۔ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَنَبۡلُوۡکُمۡ بِالشَّرِّ وَالۡخَیۡرِ فِتۡنَةً ؕ وَاِلَیۡنَا تُرۡجَعُوۡنَ﴾ (الانبیاء) ''اور ہم آزماتے رہتے ہیں تم لوگوں کو شر اور خیر کے ذریعے سے۔اور تم سب لوگ ہماری ہی طرف لوٹا دیے جاؤ گے''۔اسی طرح انسان کی آزمائش اصولِ دین اور فروعِ دین میں بھی ہے۔[۲۷] اور فروع میں کئی طریقے ہوں تو کوئی برا نہیں' اس لحاظ سے فروعی اختلاف کو برداشت کرنا ہی بہتر ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَهُمۡ وَکَانُوۡا شِیَعًا لَّسۡتَ مِنۡهُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمۡرُهُمۡ اِلَی اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَفۡعَلُوۡنَ﴾(الانعام) ''(اے نبی ﷺ!) جن لوگوں نے اپنے دین کے ٹکڑے کردیے اور وہ گروہوں میں تقسیم ہوگئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے' پھر وہ انہیں جتلا دے گا جو کچھ کہ وہ کرتے رہے تھے۔''

اختلاف کا اصل سبب

اہل مغرب کے نزدیک علم وآگہی کا سرچشمہ کائنات' محسوسات اور تجربات ہیں۔اُمت مسلمہ کے یہاں علم وآگہی کے دوماٰخذ ہیں' ایک قرآن اور دوسرا سنت رسولؐ۔نیز اسلام کے نزدیک علم وآگہی کے مخصوص ذرائع ہیں جن میں عقل وحواس سرفہرست ہیں' اور دوسری طرف مغرب کے سماجی علوم اور اس کے مناہج ہیں جو وحی الٰہی کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرے سے نظر انداز کرتے ہیں‘ اسے علم وآ گہی کا سرچشمہ ہی شمار نہیں کرتے۔ اس طرح سے اہل مغرب سماجی علوم کی تحقیق ومطالعہ میں انہی طریقوں کو استعمال کرتے ہیں جن کا استعمال طبعی علوم کے لیے ہوتا ہے‘ نتیجہ کے طور پر مغرب کی یونیورسٹیوں میں انسانی اور سماجی علوم کی تعلیم حاصل کرنے والا مسلم نوجوان حیران رہتا ہے کہ آیا وہ علم وآ گہی کے اسلامی منہج کو درست سمجھے یا مغربی منہج کو۔ اس صورت حال میں مغربی افکار کے تشخص اور اس کے غلبہ سے ہٹ کر قرآن وسنت کے منہج کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک فکری اُصول وضع کرنا ازبس ضروری ہے‘ کیونکہ مسلمانوں کے پاس جو فکری ونظریاتی مناہج موجود ہیں۔ ان کے منابع قرآن وحدیث میں ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَبَشِّرْ عِبَادِ ⑰ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ⑱﴾ (الزمر)

(اے نبی ﷺ!) میرے ان بندوں کو بشارت دے دیجیے۔ جو بات کو توجہ سے سنتے ہیں‘ پھر اس کے بہترین پہلو کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو عقل مند ہیں۔‘‘

اور حدیث پاک میں آیا ہے: ((اَلْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ، فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا))[(۲۸)] ’’حکمت ودانائی کی بات مؤمن کی گم شدہ پونجی ہے‘ پس جہاں بھی پائے وہ اس کا سب سے زیادہ حق دار ہے‘‘۔ حکمت کے معنی اشیاء کے حقائق پر غور وفکر کرنا ہے۔ اس لحاظ سے ضروری ہے کہ مغربی افکار ونظریات کا جائزہ قرآن وحدیث کی روشنی میں لیا جائے۔ ارشادِ باری ہے: ﴿قَدْ جَاۗءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ⑮﴾ (المائدۃ) ’’آ چکا ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور بھی اور ایک روشن کتاب بھی‘‘۔ لہٰذا ہمیں موجودہ علمی وفکری سرمایہ کے سلسلے میں یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ وہ مغرب کی دَین ہے بلکہ دورِ حاضر کے فکری سرمایہ کا جائزہ اس بلند نگاہ انسان کی طرح لینا چاہیے‘ کہ جس کے پاس اپنے مأخذ وہدایت کے سرچشمے ہیں‘ یعنی قرآن وسنت‘ جو انسان کو ہر انحراف اور خطرے سے بچانے کا اہم ذریعہ ہیں‘ جو ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے کہا جا رہا ہے: ﴿مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ②﴾ (طٰہٰ) ’’ہم نے آپؐ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپؐ مشقت میں پڑیں‘‘۔ اس کے باوجود جو لوگ قرآن وسنت کو اچھی طرح نہیں جانتے‘ خاص طور پر کم سن بچے جو ابھی فہم میں ناپختہ ہیں‘ یہ ان مغربی افکار ونظریات سے نہ دینی حیثیت سے نہ دنیاوی حیثیت سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں‘ بلکہ اُلٹا نقصان میں پڑ جائیں گے‘ کیونکہ عصر حاضر کے افکار ونظریات کا سرمایہ مخلوط ہے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ تفسیری سرمایہ میں بھی ملاوٹ نظر آتی ہے۔ اس لحاظ سے ترجمہ وتفسیر کے ذریعہ قرآن سمجھنے والے کو احتیاط سے کام لینا ازحد ضروری ہے‘ کیونکہ عقل ومذہب کا یہ تصادم تاریخ کے قدیم صفحات میں نظر نہیں آتا‘ جبکہ جدید تاریخ میں اس کا سراغ ترجمہ کے بعد والے زمانہ میں ملتا ہے۔ عہدِ نبویؐ اور دورِ صحابہؓ میں عقل ومذہب میں لوگ کسی طرح کا بُعد وتناقص اور معرکہ آرائی نہیں جانتے تھے‘ بلکہ یہ دونوں پہلو بہ پہلو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے سامنے سرِ تسلیم خم کیے چل رہے تھے‘ دونوں میں کسی طرح کی کشاکش نہیں تھی‘ لیکن حالات نے ان دونوں میں فرق پیدا کر دیا‘ نتیجے میں نہ جانے کتنی کتابیں‘ خطبات اور رسائل اس قضیہ سے بھرے پڑے ہیں۔ اس وجہ سے یہ امت مختلف فرقوں میں بٹ گئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصل دین اور فروع میں مطابقت کے حدود

ارشادِ ربانی ہے:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾﴾ (الشوریٰ)

''(اے مسلمانو!) اللہ نے تمہارے لیے دین میں وہی کچھ مقرر کیا ہے جس کی وصیت اس نے نوحؑ کو کی تھی اور جس کی وحی ہم نے (اے محمدﷺ) آپ کی طرف کی ہے' اور جس کی وصیت ہم نے کی تھی ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو' کہ قائم کرو دین کو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔ (اے نبیﷺ) بہت بھاری ہے مشرکین پر یہ بات جس کی طرف آپ ان کو بلا رہے ہیں۔ اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی طرف (آنے کے لیے) چن لیتا ہے اور وہ اپنی طرف ہدایت اُسے دیتا ہے جو خود رجوع کرتا ہے۔''

مذکورہ آیت سے صاف مطلب نکلتا ہے کہ اصل دین ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے' یعنی عقائد و اخلاق۔ اور اصول میں کوئی اختلاف نہیں تھا' بعض فروعات یعنی دین کو قائم کرنے کے طور طریق ہر وقت میں اللہ تعالیٰ نے جدا ٹھہرا دیے ہیں:

﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۸﴾﴾ (المائدۃ)

''تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک شریعت اور ایک راہِ عمل طے کر دی ہے۔ اور اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی اُمت بنا دیتا مگر اُس نے چاہا کہ وہ اس چیز میں تمہاری آزمائش کرے جو اُس نے تم کو عطا کی' تو تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرو۔ اللہ ہی کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے' پس وہ تمہیں جتلا دے گا ان چیزوں کے بارے میں جن میں تم اختلاف کرتے رہے تھے۔''

فرقے بننے کی وجہ

باہمی ضد اور خود غرضی سے ایک اُمت منقسم ہو جاتی ہے' بے شمار فرقوں میں بٹ جاتی ہے' جیسے بنی اسرائیل میں باہمی ضد کی وجہ سے بے شمار فرقے بن گئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۷﴾﴾ (الجاثیۃ)

''اور ہم نے انہیں عطا کیں دین کے معاملہ میں واضح ہدایات۔ اور انہوں نے نہیں اختلاف کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ چکا تھا' محض باہمی ضدم ضدا کے سبب سے۔ یقیناً آپؐ کا رب فیصلہ کر دے گا ان کے مابین قیامت کے دن ان تمام باتوں کا جن میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں۔''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اندرونی اختلاف کو برداشت کرنا

مذکورہ بالا آیت میں نبی کریم ﷺ کے توسط سے پوری اُمت مسلمہ کو مخاطب کیا گیا ہے کہ ان ضدی لوگوں کی خواہشات پر مت چلیں۔ ان کی ایک خواہش یہ ہے کہ مسلمانوں میں بھی ویسا ہی اختلاف وتفریق پڑ جائے جس میں وہ لوگ خود مبتلا ہیں۔ ارشاد ہوا: ﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰی شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٨﴾﴾ (الجاثیۃ) ''پھر (اے نبی ﷺ!) ہم نے آپ کو قائم کر دیا دین کے معاملہ میں ایک صاف شاہراہ (شریعت) پر' تو آپ اسی کی پیروی کریں اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جن کے پاس کوئی علم ہی نہیں ہے۔''

کسی گھر میں' قبیلے میں اور قوم میں باہمی تعلقات خراب کرنا' آپس میں تفریق ڈالنا شیطان کا کام ہوا کرتا ہے' لہٰذا اندرونی اختلافات وخلفشار کو ہمیشہ برداشت کرنا چاہیے۔ ان اندرونی اختلافات کو بڑھاوا دینے میں شیطان نما انسان کا بھی ہاتھ ہوتا ہے۔ اُمت مسلمہ کو ان عناصر سے چوکنا وہوشیار رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اُمتِ مسلمہ کو شیطان نما انسان کی ان چالوں سے ہمیشہ محفوظ رکھے' کیونکہ یہ عناصر فروعی اختلافات کے ذریعہ سے حملہ کر کے اُمت کو تقسیم کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

خلاصہ کلام

جن اُمور میں کوئی پہلو شر یا تکلیف کا ہو یا کسی صحیح مقصد کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو' ان کو شیطان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے' جیسے موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں آیا: ﴿قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۡ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴿٦٣﴾﴾ (الکھف) ''اُس (نوجوان) نے کہا: دیکھئے' جب ہم ٹھہرے تھے چٹان کے پاس تو میں بھول گیا مچھلی کو (نگاہ میں رکھنا) اور نہیں مجھے بھلائے رکھا مگر شیطان نے کہ میں (آپؑ سے) اس کا ذکر کروں' اور اُس نے تو بنالیا تھا اپنا راستہ دریا میں' عجیب طرح سے''۔ دوسری جگہ یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں آیا ہے: ﴿وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۡ فَاَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿٤٢﴾﴾ (یوسف) ''اور یوسفؑ نے کہا اُس شخص سے جس کے بارے میں آپؑ نے گمان کیا کہ وہ ان دونوں میں سے نجات پائے گا کہ اپنے آقا سے میرا ذکر بھی کرنا۔ تو اُسے بھلائے رکھا شیطان نے ذکر کرنا اپنے آقا سے' تو آپؑ رہے جیل میں کئی برس تک''۔ شیطان نے اس شخص کو بادشاہ کے یہاں یوسف کا ذکر کرنا بھلوا دیا۔ گویا یہ عمل شیطان کی جانب سے ہے۔ لہٰذا ان حالات میں اُمتِ مسلمہ اپنا ماضی پھر یاد کرے اور اس فرمانِ الٰہی کو پیش نظر رکھے: ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٢﴾﴾ (المائدۃ) ''اور تم نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو' اور گناہ اور ظلم وزیادتی کے کاموں میں تعاون مت کرو' اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو' یقیناً اللہ تعالیٰ سزا دینے میں بہت سخت ہے''۔ یعنی ہم مل جل کر نیکی اور پرہیزگاری کا مظاہرہ کریں' اللہ سے ڈرتے ہوئے نیکی وبھلائی میں تعاون اور بدی وشر سے پرہیز کریں۔ اللہ تعالیٰ اُمت مسلمہ کو اس عذاب سے محفوظ رکھے' آمین!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات

(۱) فتح القدیر، علامہ شوکانی، جلد ٤،ص:٢٩٤۔
(٢) روح المعانی،علامہ آلوسی، جلد ٢٠،ص:٤٥١، الرسالۃ، بیروت، ٢٠١٠ء۔
(٣) تفسیر طبری، علامہ ابن جریرؒ، جلد١٨، ص٤٩٥۔
(٤) فتح القدیر، علامہ شوکانی، جلد٤،ص٢٩٥۔
(٥) تفسیر طبری، امام ابن جریرطبریؒ،جلد١٨،ص٤٩٦۔
(٦) تفسیر ابن کثیر، علامہ ابن کثیرؒ،جلد٦،ص٩٣۔
(٧) فتح القدیر، علامہ شوکانی،جلد٤،ص٢٩٥۔
(٨) صحیح مسلم، کتاب القدر،باب کل مولود یولد علی فطرۃ۔ وصحیح البخاری،کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ الروم۔
(٩) امام جوزی،جلد٦،ص٣٠٠۔
(١٠) تفسیر طبری، ابن جریرطبریؒ، جلد ١٨،ص٤٩٥۔
(١١) تفسیر المنار،علامہ رشید رضا مصری،جلد١،ص٦٧۔
(١٢) تفسیر عثمانیؒ ،ص١٧٦، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ۔
(١٣) بحوالہ تفسیر عثمانی،ص٥٠٩۔
(١٤) تفسیر عثمانی،ص٥٤٢۔
(١٥) تفسیر عثمانی،ص٤٦٠۔
(١٦) صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب اکثر اھل الجنۃ الفقراء......
(١٧) تفسیرثنائی،مولانا ثناء اللّٰہ امرتسری،جلد٢،ص٣٩٠، الدارالسّلفیہ ممبئی۔دارالمعارف، ممبئی، ٢٠٠٠ء۔
(١٨) تفہیم القرآن،مولانا سیّد ابوالاعلی مودودیؒ،ج٣،ص١٠، جمال پرنٹنگ پریس، جامع مسجد، دہلی ۱۹۷۲ء۔
(١٩) تفسیر عثمانی،ص١٠٩۔
(٢٠) تفسیر عثمانی،ص٦٥٢۔
(٢١) تفسیر عثمانی،ص٥٢٥۔
(٢٢) تفسیر عثمانی،ص٢٠٥۔
(٢٣) امامِ قتیبہ کی غریب الحدیث، تحقیق ڈاکٹرعبد اللّٰہ الجبوری، مطبوعہ عراق، جلد ١، ص٢٨٩۔
(٢٤) جدید فکری بحران، ڈاکٹر طٰہٰ جابر العوانی،ص٢٣۔
(٢٥) تفسیر عثمانی،ص٥١١۔
٢٦) تفسیر ثنائی، مولانا ثناء اللّٰہ امرتسری، ج٢،ص٦٤٥، الدّارالسّلفیہ ممبئی۔ دارالمعارف، ممبئی، ٢٠٠٠ء۔
(٢٧) تفسیر عثمانی،ص٤٣٣۔
(٢٨) جامع الترمذی،کتاب العِلم، باب فضل الفقہ علی العُبادۃ۔ سنن ابن ماجہ،ابواب الزھد،باب الحکمۃ ۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت وتبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

© rasailojaraid.com